تے ہے۔ یعنی یہ ایسے مختلف اشعار کا مجموعہ ہوتا ہے۔ جس میں واردات قلبی کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ اردو ادب کے ابتدائی دور سے اس کا وجود ہے۔ یہ فارسی سے اردو میں آئی۔ اس کا ہر شعر الگ الگ مطلب کا حامل ہوتا ہے۔ غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں اگر دوسرا شعر بھی ہم قافیہ ہو تو اسے حسن مطلع کہتے ہیں۔ اس طرح ایک سے زائد مطلع والی غزل کے پہلے شعر کو مطلع اول یا شاہ مطلع اور دوسرے مطلع کو حسن مطلع یا مطلع ثانی بھی کہتے ہیں۔ آخری شعر جس میں تخلص استعمال ہوتا ہے۔ مقطع کہلاتا ہے۔ غزل کا ہر شعر اپنی جگہ مستقل اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر شعر ایک مکمل مضمون ہوتا ہے۔ بعض اوقات پوری غزل میں ایک ہی مضمون ہوتا ہے اور بعض اوقات ہر شعر الگ الگ مضمون ہوتا ہے۔ غزل ایک ہی بحر میں لکھی جاتی ہے غزل کو اردو شاعری کی آبرو کہا جاتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ مقبول صنف ہے۔ اس کا آغاز دکن سے ہوا اور اس کو عروج شمالی ہندستان میں حاصل ہوا۔ اس صنف کو اردو میں میرؔ، سوداؔ، دردؔ، مومنؔ اور غالبؔ وغیرہ نے بام عروج پر پہنچایا۔ غزل گو شعراء کے دو بڑے مرکز لکھنؤ اور دلی تھے۔ غزل کی مخالفت بھی ہوئی مگر آج بھی اس کی آب و تاب میں کوئی فرق نہیں آیا۔ غزل کی ملنساری اور رواداری نے حسن و عشق کے میدان سے آگے قدم بڑھایا اور اخلاق، فلسفہ، تصوف وغیرہ ہر قسم کے مضامین کو اپنے اندر جگہ دی۔ اقبالؔ، مجازؔ، اور فیضؔ نے غزل میں انقلاب پیدا کر دیا۔ حسرتؔ، فانیؔ، جگرؔ اور فراقؔ نے غزل کو ایک لافانی صنف بنا دیا۔

میر تقی میرؔ

نام میر محمد تقی اور میرؔ تخلص تھا۔ والد کا نام میر محمد متقی تھا۔ آگرہ کے رہنے والے تھے۔ ۱۷۲۳ء میں پیدا ہوئے۔ گیارہ برس کی عمر میں باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ اس کے سوتیلے بھائیوں نے انھیں بہت تکلیف دی جس کا تذکرہ انہوں نے ذکر میرؔ میں کیا ہے۔ میر تقی کی زندگی کا زیادہ عرصہ دلی میں اور آخری زمانہ لکھنؤ میں گذرا۔ اس نے بڑا پر آشوب زمانہ پایا تھا۔ ایک طرف دلی بار بار حملوں اور لوٹ مار کا نشانہ بنتی رہی۔ دوسری طرف خود میر کی زندگی آلام و مصائب کا شکار تھی۔ آخر کار مجبور ہو کر دلی کو خیر باد کیا۔ لکھنؤ آئے۔ نواب آصف الدولہ نے سنا تو اپنے یہاں لے گئے اور دو سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کیا۔ کچھ دنوں تک دربار میں آنا جانا رہا مگر کسی بات پر نواب سے ان بن ہو گئی نازک مزاج تھے ہی اس پر حد درجہ خودداری مرتے مر گئے مگر پھر کبھی نواب کے یہاں قدم نہیں رکھا۔ ۱۸۱۰ء میں لکھنؤ میں ہی انتقال کیا۔

میر تقی میرؔ کے ادبی کارنامے

میر تقی میرؔ اپنے زمانے ہی میں غزل گو شاعر کی حیثیت سے مشہور ہو گئے تھے اور بعد کے شعراء نے بھی ان کی استادی کا لوہا مانا ہے۔ غزل میں ان کا رتبہ سب سے بلند ہے۔ قدرت نے انھیں بے پناہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ درد مند دل بھی عطا کیا تھا۔ آلام روزگار، غم زندگی اور دردمندی ان تمام باتوں نے مل کر ان کے کلام اور بالخصوص غزلوں میں بے پناہ درد اور گداز پیدا کر دیا ہے۔ میر اپنی غزلوں میں ایسی بحروں کا استعمال کرتے ہیں۔ جن سے درد و غم کی کیفیت بھی پیدا ہوتی ہے اور موسیقیت بھی۔ الفاظ بھی نرم و نازک استعمال کرتے ہیں۔ میرؔ کا لہجہ دھیما اور درد انگیز ہوتا ہے۔ میرؔ کے چھ دیوان ہیں۔ ان کے علاوہ نکات الشعرا اور "ذکر میر" فارسی

Scanned by CamScanner

کی کتابیں ہیں۔ غزلوں کے علاوہ قصیدے، مثنویاں، مرثیے اور نظمیں وغیرہ بھی کہی ہیں۔

﴿میر تقی میر کی غزل نمبر ۔۱﴾

شعر نمبر ۱: ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا   دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

تشریح: میر فرماتے ہیں کہ اے میرے محبوب تمہاری چاہت اور محبت میں، میں اس مقام پہ پہنچا ہوں جس کا اظہار اور بیان ناممکن ہے۔ تمہارے نام سے اس قدر اُنس اور تعلق پیدا ہوا ہے۔ کہ اب اگر میرے سامنے کوئی تمہارا نام لیتا ہے تو میں اُس کو اپنا رقیب سمجھنے لگتا ہوں۔ مجھے یہ گمان ہوتا ہے۔ کہ کہیں اس شخص کا مقصود بھی تم ہی نہ ہو۔ اس طرح بے قرار ہو جاتا ہوں اور اپنے دل کو تھام کر رہ جاتا ہوں۔

شعر نمبر ۲: وہ کج روش نہ ملا راستی میں مجھ سے کبھو   نہ سیدھی طرح سے اُن نے میرا سلام لیا

تشریح: میر اپنے بے وفا دوست کی شکایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرا محبوب ہمیشہ ٹیڑھی راہ چلتا ہے۔ یعنی ہر وقت بے وفائی سے کام لیتا ہے۔ میں نے ہمیشہ وفاداری کی وہ بے وفائی کرتا رہا۔ اور کبھی بھی محبت کا جواب محبت سے نہ دیا بلکہ اگر وہ مجھے کہیں راستے میں ملا۔ یا اس کا یا میرا آمنا سامنا راستے میں ہوا تو بات کرنا تو در کنار اُس نے میرا محبت بھرا سلام تک قبول نہیں کیا۔ حالانکہ مجھے اُمید تھی کہ وہ اپنی نظرِ عنایت سے نوازے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔

شعر نمبر ۳:۔ میرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں   تمام عمر میں نے ناکامیوں سے کام لیا

تفہیم الفاظ:۔ سلیقہ۔ لیاقت ۔ طور طریقہ + نبھانا = انجام دینا + ناکامی = مایوسی + کام لینا = کام کرانا

تشریح:۔ میر کہتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ سلیقہ سے اپنی محبت نبھائی ہے یعنی زندگی گذاری ہے۔ اگر چہ محبت میں مجھے عمر بھر ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر میں اس ناکامی کے ڈر سے محبت نبھانے سے باز نہیں آیا۔ حالانکہ انسان جب کسی کام میں ناکام ہوتا ہے تو وہ کام دوبارہ کرنے سے باز رہتا بلکہ دل برداشتہ ہو جاتا ہے۔ مگر میں نے اپنی ناکامیوں سے سمجھوتا کیا۔ دل کو سمجھایا اور ناکامی کو ہی اپنی کامیابی جان کر رسمِ الفت کو سلیقہ اور تمیز کے ساتھ نبھایا۔

شعر نمبر ۴:۔ اگرچہ گوشہ گزیں ہوں میں شاعروں میں میر   پہ میرے شعر نے روئے زمین تمام لیا

تفہیم الفاظ:۔ گوشہ گزیں۔ کونے میں بیٹھنا۔ تنہا رہنا + روئے زمین۔ پوری دنیا + تمام لیا۔ مشہور ہونا۔ چھا جانا

تشریح:۔ میر نے اس غزل کے مقطع میں شاعرانہ تعلّی سے کام لیا ہے۔ اپنی شاعری کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اگر چہ میں دوسرے شاعروں کی نسبت عام لوگوں سے الگ تھلگ اور خلوت نشین رہا۔ تنہائی کی زندگی بسر کی۔ نہ مشاعروں میں حصہ لیا نہ کہیں آنا جانا رہا۔ پھر بھی میری شعر گوئی، کلام کی خوبی اور شاعرانہ صلاحیتوں کی دھوم پوری دنیا میں چھا گئی۔ میری شاعری نے اپنی حیثیت منوائی۔ غزلوں کی شہرت نے بلندیوں کو چھوا۔

Scanned by CamScanner

﴿غزل نمبر ۲﴾

شعر نمبر ۱:۔ ہنگامہ گرم کن جو دلِ ناصبور تھا　　پیدا ہر ایک نالے سے شورِ نشور تھا

تفہیم الفاظ:۔ ہنگامہ۔ ہلچل۔ شور و غل + گرم۔ تیز رفتار۔ تپتا + کن۔ کر۔ ہو جا۔ ظاہر ہو + ناصبور۔ بے صبر۔ مضطرب + نالے۔ آہ و بکا۔ فریاد + شور و غل + نشور۔ مردے کا قیامت کے دن اٹھنا

تشریح:۔ میر تقی میر فرماتے ہیں کہ اے بے صبر اور مضطرب انسان ہنگامہ گرم کر۔ اور اپنی آہ و بکا سے محشر کی کیفیت پیدا کر یعنی تمہارے ہر ایک نالے سے حشر کا سماں پیدا ہونا چاہیے۔ اپنے میں ایک انقلابی جذبہ پیدا کر۔ کورانہ تقلید پر قناعت نہ کر۔ بلکہ اپنے لیے نئی نئی راہیں تلاش کر۔ کیونکہ زندگی کی خاصیت یہ ہے۔ کہ وہ تصادم، ہنگامہ اور لگاتار جدوجہد میں لذت محسوس کرتی ہے۔ کیونکہ اس کا ارتقا انہی باتوں پر منحصر ہے۔

شعر نمبر ۲:۔ پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں　　معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا

تفہیم الفاظ:۔ پہنچا۔ ملا۔ وارد ہوا + آپ کو۔ اپنے تئیں۔ اپنے کو + تئیں۔ کو۔ لیے + دور۔ بعید۔ پرے

تشریح:۔ میر اس شعر میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے اس مقولہ کی تشریح فرماتے ہیں۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ یعنی عاشق جب تک اپنی خودی سے آگاہ نہیں ہوتا۔ اُس وقت تک محبوب کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ جسے میں صحرا اور بیابان میں ڈھونڈ رہا تھا وہ تو خود میرے ہی وجود کے اندر پوشیدہ تھا۔ لہٰذا کہتے ہیں کہ جب میں نے اپنے آپ کو پایا تب ہی اس کو پا سکا۔ اس طرح اب یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ میں حقیقت سے کتنا دور تھا۔

شعر نمبر ۳:۔ آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم　　یک شعلہ برقِ خرمنِ صد کوہ طور تھا

تفہیم الفاظ:۔ آتش۔ آگ۔ نار + بلند۔ اُونچا۔ برتر۔ عالی + کلیم۔ کلام کرنے والا۔ حضرت موسیٰ کا لقب + یک۔ ایک۔ اکیلا + شعلہ۔ روشنی۔ آنچ۔ آگ کی لپٹ + برق۔ بجلی۔ تیز۔ چمکیلا + خرمن۔ انبار۔ کھلیان + صد۔ (۱۰۰) سو۔ کثرت + کوہ طور۔ فلسطین کے ایک پہاڑ کا نام

تشریح:۔ اس شعر میں میر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق تلمیح کو بیاں کیا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دیدار کی درخواست کی تھی اللہ نے اس کے جواب میں "لن ترانی" فرمایا۔ کیونکہ اللہ کو اس بات کا علم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام باوجود اشتیاق تابِ دیدار نہیں لا سکتے۔ کیونکہ خدا کی معرفت کا ذریعہ صرف عشق ہے۔ اور عشق کا لازمی نتیجہ جنون ہوتا ہے۔ جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو اس وقت تک پختگی نہیں آتی ہے۔ اسی لئے میر موسیٰ علیہ السلام سے کہتے ہیں۔ کہ ابھی تیرے

دل میں عشق کی آگ میں پختگی نہیں آئی ہے، ورنہ اے کلیم اگر ایک تجلی کے بدلے سینکڑوں تجلیاں بھی ہوتیں تو ان کو برداشت کرنے کے لئے ایک کوہ طور کے بدلے صد ہا طور پیدا ہو جاتے۔

شعر نمبر ۴: کل پاوں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا یکسر وہ استخواں شکستوں سے چور تھا

تفہیم الفاظ:۔ کاسۂ سر۔ سر کا پیالہ۔ کھوپڑی + آ گیا۔ نیچے آیا۔ پڑا۔ چڑھا + یکسر۔ بالکل۔ تمام۔ مکمل + استخواں۔ ہڈیاں + شکستہ۔ ٹوٹا ہوا۔ خراب۔ گرا ہوا + چور ہو جانا۔ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہونا

تشریح:۔ میر تقی میر دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری پر فرماتے ہیں کہ کل چلتے چلتے میرا پاؤں ایک مرے ہوئے انسان کے سر کی کھوپڑی پر آ پڑا۔ چنانچہ سر کی کھوپڑی کی تمام ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی تھیں اس لئے میرا پاؤں پڑتے ہی وہ تمام ہڈیاں چور چور ہو گئیں۔

شعر نمبر ۵: کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر میں بھی کبھو کسی کا سر پر غرور تھا۔

تفہیم الفاظ:۔ دیکھ کر چلنا + سوچ سمجھ کر چلنا + راہ۔ راستہ + بے خبر۔ غافل + کبھو۔ کبھی + غرور۔ گھمنڈ

تشریح:۔ میر کہتے ہیں کہ جونہی اس کھوپڑی کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں تو ایک آواز آئی اور کہا اے غافل اور بے شعور انسان راستے کو دیکھ کر اور سوچ سمجھ کر چلنا چاہئے یوں تکبر اور گھمنڈ سے چلنا دانائی نہیں۔ کیونکہ ایک وقت میں بھی ایک انسان کے جسم پر گھمنڈ سے تنی ہوئی تھی۔ میں بھی چلتا پھرتا، کھاتا پیتا اور جیتا جاگتا انسان تھا مگر آج میری یہ حالت دیکھ کر آپ کو عبرت حاصل کرنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ آپ کا حشر بھی ایک دن ایسا ہی ہونے والا ہے۔

شعر نمبر ۶: تھا وہ تو رشک حور بہشتی ہمیں میں میر سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا

تفہیم الفاظ: رشک = حسد، جلن + حور = نہایت خوبصورت، شکیل + بہشتی = جنتی، جنت میں رہنے والا + ہمیں میں = ہم ہی، کا اپنی ذات میں + فہم = سمجھ، عقل + قصور = خطا، غلطی۔

تشریح: اس شعر میں میر تقی میر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے میر میرا محبوب جس پر جنت کی حوریں رشک کرتی ہیں مجھ میں ہی بسا ہوا تھا مگر اپنی کم عقلی کے سبب میں اُس کو پہچان نہ سکا۔ کیونکہ "یار" کو بے پردہ دیکھنے کے لئے پہلے اپنے آپ کو دیکھنا لازمی اور جب انسان اپنے آپ کو دیکھے گا تو اس وقت اُسے یہ حقیقت معلوم ہوگی کہ میں تو اسی کو دیکھ رہا ہوں اور اس مشاہدے کی طاقت ایک عاشق میں صرف عشق سے پیدا ہوتی ہے عقل سے نہیں۔

سوال نمبر ا:۔ شاعر نے دل ستم زدہ کو کیوں تھام لیا؟

جواب: جب شاعر کے سامنے کوئی اس کے معشوق کا نام لیتا ہے یعنی اس کی تعریفیں کرتا ہے تو شاعر اپنے دل کو تھام لیتا ہے۔ دل اس محبوب کی ستم آزاریوں سے پہلے ہی زخمی ہوا ہے۔ دوسری طرف رشک سے یہی دل گھٹا جاتا ہے کہ یہ میرا رقیب بن گیا ہے اور دل پسند نہیں کرتا ہے کہ کوئی دوسرا اس کے محبوب کو چاہے اس لئے بہت مشکل سے اپنے دل کو تھام لیتا ہے۔

سوال نمبر۲: دونوں غزلوں میں سے ایسا شعر تلاش کیجیے جس میں شاعرانہ تعلی موجود ہو؟

جواب: پہلی غزل میں جو مقطع کا شعر ہے اس میں شاعرانہ تعلی موجود ہے۔

اگرچہ گوشہ گزیں ہوں میں شاعروں میں میرؔ پہ میرے شعر نے روئے زمین تمام لیا

سوال نمبر۳: سر کی کھوپڑی نے کون سی پتے کی بات بتائی؟

جواب: سر کی کھوپڑی نے دنیا کی ناپائداری اور بے ثباتی کی بات بتائی جب اس کی بوسیدہ ہڈیوں پر کسی کا پاؤں پڑ گیا اور وہ ریزہ ریزہ ہو کر چلا اٹھی کہ ایک وقت ایسا بھی تھا جب میں ایک انسان کے سر پہ گھمنڈ بنی ہوئی تھی۔ میں بھی چلتا پھرتا، کھاتا پیتا اور جیتا جاگتا انسان تھا مگر آج میری یہ حالت دیکھ کر ہر ایک انسان کو عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ کبھی کسی وقت اس کا حشر بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے۔

سوال نمبر۴: دوسری غزل کے تیسرے شعر میں حضرت موسیٰ سے متعلق تلمیح کو بیان کیجیے؟

جواب: کوہ طور فلسطین کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جس پر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوتے تھے۔ اسی پہاڑ پر انھوں نے خدا کا جلوہ بھی دیکھا۔ واقعہ اس طرح ہے کہ موسیٰ کو خدا کی طرف سے حکم ملا کہ تم کوہ طور پر جا کر تیس دن تک ہماری عبادت کرو۔ اس کے بعد ہم تمہیں "توریت" نام کی ایک آسمانی کتاب عنایت کریں گے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے وہ کوہ طور پہ گئے اور اپنی امت بنی اسرائیل کو خوب سمجھا کر ہدایت کر گئے کہ میرے پیچھے تم پھر گمراہ مت ہو جانا۔ کوہ طور پر حضرت موسیٰ اللہ سے ہم کلام ہوتے تھے اسی وجہ سے ان کا لقب "کلیم اللہ" ہے۔ یعنی اللہ سے بات کرنے والا۔ بات چیت کا یہ سلسلہ عرصہ تک چلتا رہا۔ ایک روز حضرت موسیٰ کے جی میں آیا کہ میں اللہ کا دیدار بھی کروں۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا "رب ارنی" یعنی اے رب تو مجھے اپنا جلوہ دکھا دے۔ خدا کی طرف جواب ملا "لن ترانی" یعنی تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔ حضرت موسیٰ خدا کا جلوہ دیکھنے کے لئے بار بار اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی ضد پر اللہ نے فرمایا کہ اگر تم جلوہ ہی دیکھنا چاہتے ہو تو سامنے کے پہاڑ پر نظر کرو اگر وہ پہاڑ جس کا نام طور سینا ہے اپنی جگہ پر قائم رہا تو سمجھ لینا کہ تم مجھے دیکھ سکو گے ورنہ نہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں تجلی نور الٰہی جلوہ گر ہوئی پہاڑ جل کر راکھ ہو گیا اور حضرت موسیٰ اس تجلی کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئے۔ کافی دیر بعد جب ہوش آیا تو اللہ سے اپنی گستاخی کی معافی مانگی اور آئندہ کے لئے توبہ کی۔

سوال نمبر۵: صنعت تلمیح کی تعریف لکھیے اور مثالیں دیجیے؟

جواب: کسی شعر میں کسی مشہور واقعہ یا کسی مذہبی روایت کی طرف اشارہ کرنے کو تلمیح کہتے ہیں۔ تلمیح کے الفاظ بظاہر مختصر ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے پیچھے وہ پورا قصہ ہوتا ہے۔ جس کی طرف شاعر اشارہ کرنا چاہتا ہے۔ اس پورے قصے کو جانے بغیر نہ تو شعر کا مطلب بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اور نہ ہی شعر کے اندر لائی گئی صنعت تلمیح کا پورا پورا لطف اٹھایا جا سکتا ہے۔ مثلاً یہ شعر تلمیحی شعر ہے۔

نارِ نمرود کو کیا گلزار دوست کو یوں بچا دیا تو نے (داغؔ) یا یہ شعر دیکھئے

اڑ کے بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیم طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی۔ (اقبال)

Scanned by CamScanner

سوال نمبر ۶: صنعت تعلّی کی تعریف لکھیے اور مثالیں دیجیے؟

جواب: صنعت تعلّی وہ صنعت ہے جس میں شاعر اپنی شاعری کے سلسلہ میں مبالغہ سے کام لیتا ہے اس سلسلے میں ہمارے بعض شعراء نے اپنی تعریف، اپنی شاعری کی تعریف کچھ اس طرح بڑھا چڑھا کر کی ہے کہ بار گراں گزرتی ہے میرؔ۔ غالب اور بعض شعرا بھی اس عیب کا شکار ہوئے ہیں جیسے غالبؔ کا یہ شعر دیکھیے۔ ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیان اور۔

ان شعروں کی وضاحت کریں؟

I	آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم	یک شعلہ برق خرمن صد کوہ طور تھا۔
II	تھا وہ رشک حور بہشتی ہمیں میں میرؔ	سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا۔
III	ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا	دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا۔

جواب: ان شعروں کی وضاحت آپ صفحہ نمبر ۱۵، ۱۷ اور ۱۸ پر دیکھ سکتے ہیں۔

خواجہ حیدر علی آتشؔ

خواجہ حیدر علی نام اور آتشؔ تخلص فرماتے تھے۔ آپ فیض آباد کے ایک معزز گھرانے میں ۱۷۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ باپ کا سایہ کم عمری میں سر سے اُٹھ گیا۔ اس وجہ سے مروجہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ مزاج میں شوریدہ سری اور بانکپن پیدا ہو گیا۔ آپ لکھنو آئے اور مصحفی کے شاگرد ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے میں کثرت مشق اور افتادہ طبع کی بدولت اُستاد کے ہم پلہ ہو گئے۔ آتشؔ کے مزاج میں ایک فقیرانہ انداز آ گیا اور طبیعت فقر و فاقہ کی طرف مائل ہوئی۔ ساری عمر توکل اور قناعت کی راہ سے قدم نہیں ہٹایا۔ آخری عمر میں اُن کی بینائی بھی چلی گئی آخر ۷۰ سال کی عمر میں ۱۸۴۷ء میں لکھنو میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ آتشؔ اردو غزل کے بہت بڑے محسن ہیں۔ آتشؔ کے کلام کی جملہ خوبیاں کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ لکھنؤ اسکول کے ممتاز ترین غزل گو شاعر تھے۔ اُن کا کلام دو دیوانوں میں شائع ہو چکا ہے۔ آتشؔ کے یہاں تصوف کی چاشنی اس مزے اور آزادی کے ساتھ ہے۔ اگر ان کو اردو زبان کا حافظ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ فقیرانہ اور آزادانہ رنگ آتشؔ کو انفرادی حیثیت دے کر دوسرے شعراء سے ممتاز کرتا ہے۔ اور ان کے شعروں میں جان پیدا کرتا ہے۔ آتشؔ اپنے کلام میں جہاں کہیں کیف و مردانگی و خودداری کے جذبات قلم بند کرتے ہیں۔ وہاں اُن کی امتیازی خصوصیت ان کو اردو کے بہترین شعراء کی صف میں جگہ دلاتی ہے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت ہے جن میں مرزا شوقؔ اور دیا شنکر نسیمؔ خاص ہے۔

غزل نمبر ۱

شعر نمبر ۱: دہن پہ ہیں اُن کے گماں کیسے کیسے کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

Scanned by CamScanner

تفہیم الفاظ: دہن = دہان کا مخفف، منہ + گمان = شک وشبہ، وہم، خیال + کلام = سخن، بات، گفتگو + درمیان = بیچ، وسط، اندر + کیسے کیسے = کس قسم کے، کس قدر۔

تشریح: اس شعر میں آتش فرماتے ہیں کہ شاید میرے محبوب کو میری محبت اور چاہت پر شک ہے کیونکہ جب بھی وہ مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے تو بہت ساری باتیں شک اور گمان سے بھری ہوئی ہوتی ہیں ان کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کہنے کچھ اور ہے سوچتے کچھ اور ہے۔

شعر نمبر ۲: زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

تفہیم الفاظ: چمن = سبز کیاریاں، چھوٹا سا باغیچہ + گل کھلانا = فساد ہونا، انوکھا کام واقع ہونا + رنگ بدلنا = رنگ اڑنا، خفا ہونا، بگڑنا + آسمان = فلک، آکاش + زمین = دنیا، دھرتی۔

تشریح: اس شعر میں آتش دن رات کے تغیر کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آئے دن یہ دنیا نئے حالات سے دوچار ہوتی ہے اور نئے نئے واقعات وقوع پذیر ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آسمان بھی نت نئے رنگ بدلتا رہتا ہے۔ یعنی دن رات نئے انقلاب ظہور میں آتے ہیں کسی چیز کو یہاں قرار نہیں ہے۔ انسان کی قسمت میں کیا لکھا ہے وہ ان باتوں سے بے خبر ہے۔

شعر نمبر ۳: نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا مٹے ناموں کے نشان کیسے کیسے

تفہیم الفاظ: گور = قبر، مزار، مقبرہ + سکندر = مشہور یونانی بادشاہ کا نام جس نے دنیا کو فتح کرنا چاہا تھا + قبر = وہ گڑھا جس میں مردے کو دفن کرتے ہیں + دارا = ایران کے ایک مشہور بادشاہ کا نام جو سکندر کے ساتھ لڑ کر مارا گیا + نامی = نامدار، مشہور، نام دار + نشان = آثار، علامت، ٹھکانا۔

تشریح: اس شعر میں شاعر اس دنیا کی ناپائداری اور بے ثباتی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دنیا میں کسی شے کو ثبات نہیں ہے۔ سکندر اور دارا جیسے شاہنشاہ طاقتور اور باوقار حکمران گزرے ہیں۔ جنہوں نے ہر ملک کو فتح کیا اور پوری دنیا پر حکومت کرنا چاہی مگر آج ان کی قبر تک کا نام ونشان موجود نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں بڑے بڑے نامور اور طاقتور جابر حکمران زندہ نہیں رہے کیونکہ یہ دنیا ناپائدار ہے۔

شعر نمبر ۴: دل و دیدہ اہل عالم میں گھر ہے تمہارے لئے ہیں مکان کیسے کیسے

تفہیم الفاظ: دل و دیدہ = قلب ونظر، جگر اور آنکھیں + اہل عالم = دنیا کے لوگ، ہر ایک شخص + گھر = جگہ، ٹھکانہ، مسکن + مکان = رہنے کی جگہ، گھر + کیسے کیسے = کس کس طرح کے، کتنے۔

تشریح: اس شعر میں آتش کہتے ہیں کہ میرے محبوب کی خوبصورتی، دلربائی اور حسن مشہور عالم ہے اس کی رعنائی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ پوری دنیا اس کی شیدائی ہے۔ ہر کسی نے اس کو اپنے دل وجگر میں بسایا ہے۔ سبھوں نے اس کی خاطر آنکھیں فرش راہ کی ہیں۔ یعنی میرا محبوب ہر ایک کے دل اور آنکھ میں بسا ہوا ہے واقعی اس کے رہنے کے لئے کیسے کیسے مکان ہے۔

شعر نمبر ۵: غم و غصہ و رنج و اندوہ و حرماں ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

تفہیم الفاظ: غم و غصہ = دکھ و درد، وہ رنج جس سے گلا گھٹ جائے، حرماں = محروم، یاس، ناامیدی + رنج = ملال، افسوس، سوگ + اندوہ گیں = غمگین، رنجیدہ + مہرباں = رفیق، محبت کرنے والا

تشریح: آتش اس شعر میں فرماتے ہیں کہ رنج و غم، پریشانی، ناامیدی اور مایوسی کے سوا مجھے زندگی میں کچھ نہیں ملا۔ اور ساری عمر رنج و غم اور مصیبت و پریشانی میرے ساتھ میرے ہمدم بن کر رہے۔ یہ سب میرے کرم فرما اور مہربان رہ چکے ہیں اور مجھے کبھی بھی سکھ اور چین سے رہنے نہ دیا۔

سوال نمبر ۱: اس غزل میں اُس شعر کی نشاندہی کیجیے جس میں انسان کی بے ثباتی کا ذکر ہے؟

جواب: نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

سوال نمبر ۲: شاعر نے غم و غصہ۔ رنج و اندوہ کو اپنے مہربانوں میں کیوں شمار کیا ہے؟

جواب: شاعر نے غم و غصہ اور رنج و اندوہ کو اس لئے اپنے مہربانوں میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں ہمیشہ شاعر کے ساتھ رہتی تھیں۔ اس طرح ساری زندگی غموں سے پُر تھی۔ جس چیز کی تمنا کی اور وہ مل نہ سکی۔ ہر ایک شخص نے شاعر کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ساری زندگی یاس اور قنوطیت میں گذری صرف عمر بھر غموں نے ساتھ دیا یعنی مہربان بنے۔

سوال نمبر ۳: تشریح کیجیے:

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

جواب: اس شعر میں آتش دنیا کی بے ثباتی یعنی ناپائداری کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ یہ دنیا فانی ہے اور مٹ جانے والی ہے۔ یہاں بڑے بڑے بہادر اور امیر لوگ آئے اور چلے گئے۔ لیکن آج ان کے نام سے کوئی واقف نہیں ہے۔ آج نہ سکندرِ اعظم یونان کا عظیم بادشاہ جس نے ساری دنیا فتح کرنے کا خواب دیکھا تھا اس کی قبر نظر نہیں آرہی ہے۔ اور نہ دارا (ایران کا بادشاہ جسے سکندر نے شکست دی تھی) کی قبر کہیں موجود ہے۔ کیونکہ بے رحم گردشِ ایام نے بڑے بڑے نامور لوگوں اور بادشاہوں کے نام و نشان مٹا دیے ہیں۔

سوال: مندرجہ بالا شعر میں جو دو تلمیحات کا ذکر آیا ہے اُن کا مختصر تذکرہ کیجیے۔

جواب: یہاں اردو زبان کی دو مشہور تلمیحات اور اُن کے پس منظر کو بیان کیا گیا ہے جن کا ذکر اس شعر میں آیا ہے یعنی سکندر اور دارا۔

(۱) سکندر (ذوالقرنین):۔ ایک زبردست اور قدیم بادشاہ کا لقب ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ شاید سکندرِ اعظم کا لقب ہوگا مگر اس میں اختلاف ہے۔ ذوالقرنین اس کا لقب اس لئے تھا۔ کہ وہ دو گیسو رکھتا تھا (قرن بمعنی گیسو) دوسرا مفہوم یہ ہے دنیا کے دونوں سمتوں یعنی مشرق و مغرب کے دور دراز ملکوں میں پہنچ گیا تھا یا یہ کہ نور و ظلمت دونوں میں وہ داخل ہوا تھا یہ سکندرِ اعظم سے پہلے سام

ابن نوح کی نسل سے تھا۔ خضر اس کے مشیر تھے اس نے یاجوج ماجوج سے بچنے کے لئے لوہے کی دیوار بنوائی جس کا تذکرہ قرآن پاک میں درج ہے۔

(۲) سکندر اعظم (۳۵۶ . ۳۲۳ق م) روم کے ایک بڑے بادشاہ کا نام جس نے دنیا کے بہت سے ممالک فتح کیے۔ ہندوستان میں پورس بادشاہ سے بھی جنگ کی تھی اپنے والد فلپ دوم قتل کے بعد مقدونیہ (روم) کے تخت پر بیٹھا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ سکندر ذوالقرنین دوسرا سکندر تھا۔

(۳) دارا: فارس کے ایک بادشاہ کا نام جس سے سکندر لڑا تھا۔ یوں بھی وہاں کے ہر بادشاہ کو "دارا" کہتے ہیں۔ اور کبھی کبھی اشارہ خداوند تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اس لیے کہ "دارا" بمعنی "رکھنے والا"۔

پہلے خود دارا تو مانند سکندر ہو لے
پھر جہاں میں ہوس شوکت دارائی کر (اقبال)

شاد عظیم آبادی پر ایک مختصر نوٹ

شاد کے والد سید عباس مرزا چودہ پندرہ سال کی عمر میں ضلع آلہ آباد سے عظیم آباد چلے گئے ہیں۔ جہاں شاد کی ولادت ۱۸۴۶ء میں ہوئی۔ شاد کی تعلیم کا سلسلہ چار برس کی عمر سے شروع ہو گیا تھا کئی ایک مولویوں نے ابتدائی کتابیں پڑھائی لیکن تربیت سر سید مرحوم کے ذمہ تھی جو اُردو زبان کے بہت بڑے محقق تھے۔ ان ہی کی تربیت کا اثر تھا۔ جس نے آئندہ چل کر شاد کی زبان کو اس قدر فصیح و بلیغ کر دیا تھا کہ وہ اپنے وقت کے میر سمجھے گئے۔ شاد کی ہمہ گیر طبیعت نے ان کو محض اسلامی علوم پر اکتفا کرنے دیا۔ بلکہ عیسائیوں کے عہد نامہ جات عتیق و جدید پارسیوں کی زند پاژند اور ہندوؤں کی رامائن و گیتا وغیرہ کا مطالعہ کرنے کا بھی موقع دیا۔ شاد نے اپنی ساری عمر اردو ادب کی خدمت میں گذاری۔ کئی ایک تصنیفات یادگار ہیں۔ حکومت وقت نے آپ کو ۱۸۹۱ء میں "خان بہادر" کا خطاب عطا کیا۔ سرکار سے ایک ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا رہا۔ شاد عظیم آبادی نے ۱۹۲۷ء کو اس جہانِ فانی سے کوچ کیا۔

شعر نمبر ۱: تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

تفہیم الفاظ: تمناؤں: آرزوں۔ خواہشات، الجھانا: پھنسانا، پریشانی میں ڈالنا + کھلونے = نازک اور دکھاوے کی چیز۔ بچوں کے کھیلنے کی چیز، بہلانا۔ دھوکا دینا۔ کھیل میں لگانا۔

تشریح: شاد اس شعر میں فرماتے ہیں کہ جس طرح بچے کو کھلونے دے کر بہلایا یا پھسلایا جاتا ہے۔ ایسا ہی میرے ساتھ بھی کیا گیا ہے پہلے تو اس دنیا میں بھیجا گیا پھر یہاں بھیج کر خواہشات اور آرزوں کے جال میں اُلجھا دیا گیا جن کو حاصل کرنے میں زندگی بیت جاتی ہے۔

شعر نمبر ۲: ہوں اس کوچہ کے ہر ذرہ سے آگاہ
اُدھر سے مدتوں آیا گیا ہوں۔

تفہیم الفاظ: کوچہ۔ گلی، چھوٹی سڑک + ذرہ = چھوٹی سی چیز۔ معمولی چیز + آگاہ = واقف، معلومیت + مدت = وقت، زمانہ، عرصہ =

Scanned by CamScanner